احکام اقرار اور انکی حجیت

مولانا مبشر احمد۔ جامعہ مدنیہ لاہور

تعریف الاقرار اقرار کا لغوی معنی اعتراف ہے۔

وھو اظھار الحق لفظاً اوکتابۃً اواشارۃ۔

ترجمہ: اعتراف کسی کے حق کو لفظاً تحریراً یا اشارۃً ظاہر کرنے کا نام ہے۔

علامہ ابن سکیت فرماتے ہیں۔

اقرار بمعنی ثبات ہے کما قیل قَرَّتِ النَّاقَۃُ اذا ثبت حملھا: والقرار ھوالثبات: یعنی جب اونٹنی کا حمل ٹھہر جائے تو عرب والے کہتے ہیں قَرَّتِ النَّاقَۃُ قرار بمعنی ثبات ہے اور اقرار کے معنی ہیں

اِثْبَاتُ الشئ اِمَّا باللسان واما بالقلب واما بھما جمیعا فھوضد الجحود والانکار والاضطراب والتنازع۔

ترجمہ: کسی چیز کو ثابت کرنا زبان کے ساتھ یا دل کے ساتھ یا دونوں کے ساتھ اور اقرار جحود و انکار و اضطراب و تنازع کی ضد کا نام ہے۔[1]

اقرار کی اصطلاحی تعریف اقرار کی اصطلاحی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے اقرار کے متعلقہ احکام میں اختلاف کی بنا پر۔

---

[1] الصحاح الجوہری ج ۲ ص ۷۹۰: تاج العروس للزبیدی ج ۳ ص ۴۸۸: لسان العرب ج ۵ ص ۸۴۔

تعریف الحنفیہ

بانہ اخبارٌ عن ثبوت حق للغیر علی نفسہ

ترجمہ: اپنے اوپر حق غیر کے ثبوت کی خبر دینے کا نام اقرار ہے [۱]

تعریف المالکیہ

بانہ خبر یوجب حکم صدقہ علی قائلہٖ فقط بلفظہ او بلفظ نائبہٖ۔

ترجمہ: قائل کا اپنے قول کے حکم کو ثابت کرنے کی خبر دینے کا نام اقرار ہے خواہ وہ خود اقرار کرے یا اس کا نائب یعنی وکیل اقرار کرے [۲]

تعریف الشافعیہ

بانہ اخبار عن ثابت علی المخبر۔

ترجمہ: مخبر پر ثبوت حق کی خبر دینا [۳]

تعریف الحنابلہ

بانہ الاعتراف وھو اظہار الحق لفظاً او کتابۃ او اشارۃ۔

ترجمہ: یعنی کسی کے حق کو ظاہر کرنا لفظاً یا تحریراً یا اشارۃً لغوی معنیٰ اور تعریف حنابلہ ایک ہی چیز ہے [۴]

تعریف الزیدیہ

الاعتراف بحق مَالِیّ او غیرہٖ۔

ترجمہ: حق مالی یعنی دین اور حق غیر مالی یعنی نسب یا جنایت وغیرہ کا اعتراف کرنا [۵]

تعریف الامامیہ

بانہ اخبار الانسان بحق لازم علیہ۔

ترجمہ: یعنی انسان کا ایسے حق کی خبر دینا جو اسکے ذمہ لازم ہے [۶]

---

[۱] تبیین الحقائق للزیلعی ج ۵ ص ۲ تکملہ فتح القدیر ج ۶ ص ۲۷۹۔

[۲] شرح حدود ابن عرفہ ص ۳۳۲ شرح الخرشی ج ۶ ص ۸۶ بلغۃ السالک لاقرب المسالک ج ۲ ص ۱۴۶

[۳] مغنی المحتاج ج ۲ ص ۲۳۸ نہایۃ المحتاج ج ۵ ص ۶۴

[۴] النکت والفوائد السنیہ ج ۲ ص ۳۵۹ کشاف القناع ج ۳ ص ۲۹۰ المغنی ج ۵ ص ۱۳۸

[۵] البحر الذخار المرتضیٰ ج ۵ ص ۳۔

[۶] المختصر النافع ص ۲۴۳۔

وسائل الاثبات ص ۲۲۵ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ بعض امامیہ نے اس تعریف کو غلط کہا ہے۔

جامع ومانع تعریف وسائل الاثبات میں ڈاکٹر مصطفیٰ الزحیلی فرماتے ہیں:
کہ ان سب تعریفات میں جامع ومانع ومختار حنفیہ کی تعریف ہے، کیونکہ تعریف تین قسموں کی ہوتی ہے۔ (۱) حقیقی (۲) لازمی (۳) تضمنی۔ احناف کی تعریف حقیقی ہے اور مالکیہ کی تعریف لازمی ہے اور شوافع وحنابلہ وغیرہ کی تعریف تضمنی ہے۔

والتعریف بالحقیقیۃ یقدم علی التعریف باللازم
اور تعریف بالحقیقیۃ تعریف باللازم پر مقدم ہوتی ہے تو اب اقرار کی تعریف ہوگی۔
اخبار الشخص بحق علی نفسہ لآخر۔
یعنی ایک شخص کا اپنے اوپر دوسرے کے حق کی خبر دینا۔

نیز اس تعریف سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اقرار حقیقت میں اخبار کو کہتے ہیں اور جمہور ائمہ اور فقہاء کی یہی رائے ہے:

بعض فقہاء حنفیہ نے مثلاً جرجانیؒ اور حصکفیؒ وغیرہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں اقرار من وجہ اخبار کا نام ہے اور من وجہ تملیک وانشاء ہے اور اس پر انہوں کچھ تفریعات بھی ذکر کی ہیں۔

ارکان اقرار فقہاء کا رکن اقرار میں اختلاف ہے:
احناف کہتے ہیں رکن اقرار صرف صیغہ ہے یعنی وہ لفظ جو دلالت کرے اقرار پر صراحۃً یا دلالۃً یا اشارۃً
اور جمہور فقہاء کہتے ہیں ارکان اقرار چار چیزیں ہیں
(۱) صیغہ (۲) مُقِر (۳) مُقَرٌّ لَہٗ (۴) مُقَرٌّ بِہٖ۔

رکن کی تعریف حنفیہ کے نزدیک رکن وہ ہے جس پر شی کا وجود موقوف ہو اور وہ ماہیت کا جزء ہوتا ہے بخلاف شرط کے، شرط ماہیت کا جزء نہیں ہوتی

لہ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۵۸۹۔ بحر الرائق ج ۷ ص ۲۴۹۔ لسان الحکام ابن الشحنہ ص ۳۷۔
وسائل الاثبات ج اوّل ص ۲۳۶۔

تو رکن اقرار صرف صیغہ ہے اور یہ صیغہ مستلزم ہوتا ہے مُقِر، مُقَرٌّ لَہٗ، مُقَرٌّ بِہٖ سب کو۔
اور جمہور فقہاء رکن کی تعریف کرتے ہیں۔

بِاَنَّہٗ ما توقف علیہ وجودہ الشئ وتصورہ فی العقل سواءٌ کان جزأً منہ ام کان مختصًّا ولیس جزءً منہ۔

یعنی جس پر شئ کا وجود موقوف ہو اور اس کا عقل میں تصوّر بھی عام ہے کہ ماہیت کا جز ہو یا صرف اس کے ساتھ خاص ہو اور جز نہ ہو۔
اس لحاظ سے اقرار کے چار ارکان ہو گئے۔

تشریح ارکان

رکن اوّل اَلْمُقِر : وھو الشخص الذی یظھر حقًّا لاٰخر علیہ۔ مقر وہ شخص ہے جو اپنے اوپر دوسرے کا حق ظاہر کرتا ہے۔

رکن ثانی مُقَرٌّ لَہٗ : وھو الشخص الذی یصدر الاقرار لصاحبہ ای لصاحب الحق : مُقَرٌّ لَہٗ وہ شخص ہے جس کے متعلق اقرار صادر ہوتا ہے یعنی صاحب حق۔

رکن ثالث مُقَرٌّ بِہٖ : وھو الحق الذی اخبر عنہ المقر : مُقَرٌّ بِہٖ وہ حق ہے جس کے متعلق مُقِر خبر دیتا ہے اور عام ہے کہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ یا حقوق ایجابیہ یا حقوق سلبیہ۔

رکن رابع صیغہ : وھو اللفظ اما یقوم مقامہ مما یدل علی الاخبار فی ثبوت الحق للغیر علی النفس :
یعنی صیغہ وہ لفظ یا قائم مقام لفظ ہے جو نفس پر غیر کے حق کے ثبوت کی خبر پر دلالت کرتا ہے : پھر بعض الفاظ صراحۃً دلالت کرتے ہیں اور وہ موضوع ہی اقرار کے لیے ہوتے ہیں مثلاً لَہٗ عَلَیَّ : لہ قِبَلِیْ : لہ فی ذمّتی : یا کوئی شخص کہتا ہے لی علیک کذا دوسرا کہتا ہے نَعَمْ

لہ احکام الوصیۃ ص ۳۔ مغنی المحتاج ۲ ص ۲۳۸ نہایۃ المحتاج ۵ ص ۶۵۔ شرائع الاسلام ج ۲ ص ۱۰۸۔ بدائع الصنائع ج ۷ ۲۰۷۔ معین الحکام للطرابلسی ص ۱۲۲۔

اور بعض الفاظ غیر صریح ہوتے ہیں وہ اقرار کے لیے موضوع تو نہیں ہوتے ہاں اس کو مستلزم ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے لی علیك كذا: دوسرا کہتا ہے قد قضیتها لك : یعنی میرا تجھ پر اتنا حق ہے دوسرا کہتا ہے میں نے تو وہ ادا کر دیا تھا یا مجھے تو کچھ مہلت دے۔

اور قائم مقام لفظ کی مثال جیسے گونگے آدمی کا اشارۃً اقرار کرنا: یا کوئی شخص تحریراً اقرار کرتا ہے یا بعض حالات میں سکوت بھی اقرار کہلاتا ہے۔ مثلاً باکرہ عورت کا سکوت: استیذان نکاح کے وقت: یا شفیع کا سکوت علم بالبیع کے بعد یا وکیل کا سکوت توکیل کے وقت یا والد کا سکوت جبکہ اسکو ولد کی تہنیت و مبارکبادی دی جائے[1]

اقرار کی قانونی تعریف مجلہ عدلیہ ص ۷۰، قانون اثبات المصری ع۱۰۳ میں لکھا ہے:

بانه اعتراف الخصم امام القضاء بواقعة قانونية مدعي بها عليه عدالت کے سامنے خصم کا اعتراف کرنا اس واقعہ قانونیہ کا جس کا اس پر دعویٰ کیا گیا ہے اور ایک دوسری تعریف جو قانون البینات السوری ع۹۱ ہے

الاقرار بانه اخبار الخصم امام المحكمة بحق عليه لاخر۔

یعنی عدالت کے سامنے ایک خصم کا اپنے اوپر دوسرے کے حق کی خبر دینا۔

مطابقت بین التعریف الاصلاحی والقانونی اگر غور کیا جاوے تو فقہاء اور قانون دانوں کی تعریفوں میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا، دونوں میں قدر مشترک لفظ اخبار و اعتراف ہے ہاں عرف قانونی میں الفاظ کے استعمال میں فرق ہے کہ امور مدنیہ و دیوانی معاملات میں لفظ اقرار استعمال کرتے ہیں اور امور جنائیہ و فوجی عدالتوں میں لفظ اعتراف استعمال کرتے ہیں[2]

---

[1] الشرح الکبیر ج ۳ ص ۴۰۲۔ حاشیہ دسوقی ج ۳ ص ۳۹۹۔ تبصرۃ الحکام ج ۲ ص ۳۹ تکملہ فتح القدیر ج ۶ ص ۲۹۷۔ مواہب الجلیل ج ۵ ص ۲۲۵۔ الحاوی ج ۷ ص ۲۰۲۔

[2] مدانیات عبد السلام ذھبی ج ۱ ص ۵۷۴۔ قانون بینات السوری ص ۱۵۴ مقارنات التشریعیہ ج ۳ ص ۳۵۔

حجیت اقرار اقرار سید الادلہ شمار ہوتا ہے اور وہ قاضی کی عدالت میں نزاعات کے خاتمہ میں قول فیصل ہوتا ہے کیونکہ مدعیٰ علیہ کی دو حالتیں ہوتی ہیں یا انکار کرے گا یا اقرار اگر انکار کرے تو مدعی پر اپنے حق کے ثبوت کے لیے شہادت و دلائل و حجج قائم کرنے پڑتے ہیں اور اگر مدعیٰ علیہ اقرار کرے تو نزاع ہی ختم ہوجاتا ہے اور مدعی کو ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور مُقِر کو مُقَرٌ بِہٖ لازم ہوجاتا ہے۔

اسی بنا پر شریعت مطہرہ نے اقرار کو جائز قرار دیا ہے اور اسکو وسائل اثبات میں ایک وسیلہ تسلیم کیا ہے۔

اقرار کی مشروعیت وحجیت پر ادلہ اربعہ موجود ہیں۔

اقرار کی حجیت پر کتاب اللہ سے دلائل کتاب اللہ میں آیات کثیرہ اقرار کی حجیت پر دلالت کر رہی ہیں جنمیں ہم بعض آپ کے سامنے تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاۤءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ لہ

"اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنے خونوں کو نہیں بہاؤگے اور اپنے نفسوں کو اپنے گھروں سے نہ نکالوگے پھر تم نے اقرار کیا اور تم گواہ بھی ہو"

دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اقرار کی بنا پر حجت قائم کی ہے لہ

۲۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۤءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ

لہ البقرہ آیت ۸۴۔

لہ تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۸۔ تفسیر ابن کثیر ج اوّل ص ۱۲۱۔ تفسیر طبری ج ا ص ۳۹۴۔

عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ [۱]

ترجمہ : اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت (کی قسم سے) (دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اُس (چیز) کی تصدیق کرنیوالا آئے جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور اسکی نصرت کرنا (پھر) فرمایا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اقرار مقر پر حجت ہوتی ہے ورنہ ان انبیاء سے اقرار کا مطالبہ نہ کیا جاتا [۲]

۳۔ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْـًٔا [۳]

ترجمہ : اور چاہیے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے اور چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے اور اس میں کچھ بھی کم نہ کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے مدین کو حکم دیا ہے کہ وہ دائن کے حق کو کاتب سے لکھوا کر رکھے۔

وَالْاِمْلَاءُ مِنَ الْمُدِیْنِ هُوَ الْاِقْرَارُ وَالْاِعْتِرَافُ بِالدَّیْنِ اور مدین کی طرف سے املاء اقرار اور اعتراف بالدین ہے تحریراً اور اس کے حق کا اظہار ہے شریعت ہمیشہ مفید کام کا حکم دیتی ہے عبث کام کا حکم نہیں دیتی اگر اقرار عبث اور بے فائدہ ہوتا تو شریعت اس کا حکم نہ دیتی، یہی وجہ ہے کہ کتمان حق ونقص حق کی نہی وارد ہوئی ہے [۴]

۴۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ

---

[۱] آل عمران آیت : ۸۱

[۲] تفسیر طبری ج ۳ ص ۳۹۲۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۸۔ تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۴۵۔ کشاف ج ۱ ص ۱۴۴۔

[۳] البقرہ آیت ۲۸۲۔ [۴] تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۳۸۵۔ احکام القرآن لابن عربی ج ۱ ص ۲۴۹۔ تفسیر طبری ج ۳ ص ۱۲۰۔

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ۔[1]

ترجمہ:۔ اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو۔ چاہے وہ تمہاری اپنی جانوں کے خلاف ہی ہو۔

اس آیت میں بھی واضح ہوا کہ شہادۃ علی النفس اقرار بالحقوق ہے اللہ تعالیٰ نے اقرار بالحق کا حکم دیا ہے بلکہ شہادۃ للہ کہا ہے[2]

قال الزمخشری فی الکشاف ج اول ص ۵۷۰ الشہادۃ علی نفسہ ھی الاقرار علی نفسہ: علامہ زمخشری کشاف ج اول ص ۵۷۰ میں تحریر فرماتے ہیں شہادۃ علی نفسہ بھی اقرار ہی کو کہتے ہیں: بلکہ یہ اقرار کا اعلیٰ درجہ ہے۔

۵۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ[3]

ترجمہ:۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی حالت پر مطلع ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بصیرۃٌ بمعنیٰ شَاهِدٌ کے ہے فَالْاِنْسَانُ شَاهِدٌ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ پس انسان اپنے نفس پر شاہد ہے۔ اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ انسان کا اپنے نفس پر اقرار اس لیے قابل قبول ہے کہ وہ ہر آن ہر مکان اپنے نفس پر شاہد ہے اور اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس لیے اس کے کان، آنکھیں، ہاتھ، پاؤں اور دیگر جوارح اس کے خلاف شہادت دیں گے بالآخر انسان اپنے جرم کا اقرار کرے گا۔ اور یہی اقرار اس پر حجت بنے گا اور اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا[4]

اقرار کی حجیت پر احادیث سے دلائل

(۱) بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے کہ ایک

---

[1] النساء آلایۃ: ۱۳۵

[2] تفسیر خازن ج ۱ ص ۶۰۴۔ احکام القرآن لابن العربی ج ۱ ص ۵۰۶

[3] القیامہ آیت: ۱۴

[4] تفسیر طبری ج ۲۹ ص ۱۸۴۔ کشاف ج ۳ ص ۱۹۴۔ قرطبی ج ۱۹ ص ۱۰۰۔ احکام القرآن ج ۴ ص ۱۸۷۸۔

اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ میرا فیصلہ کتاب اللہ سے کیجیے آپ نے فرمایا بتائیے کیا واقعہ ہے تو اس شخص نے کہا میرا بیٹا اس دوسرے شخص کے پاس اجیر تھا تو وہ اسکی بیوی سے زنا کا مرتکب ہوا ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے بیٹے پر رجم لازم ہے تو میں نے اس فدیہ میں اپنی بیٹی اور ایک سو بکریاں فدیے میں دی ہیں بعد میں میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی ہے اور اس عورت پر رجم ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، سنو سو بکریاں اور لڑکی تجھے واپس کی جاوے تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی ہے اور صبح کو اس عورت کو میرے پاس لاؤ اگر اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تو میں اسے سنگسار کر دوں گا[1]

یہ حدیث حجت اقرار میں واضح اور صریح ہے: اِنَّ الرَّسُوْلَ عَلَّقَ الْحُکْمَ بِرَجْمِ الْمَرْأَۃِ عَلٰی اِعْتِرَافِهَا: کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورت کی سنگساری کے حکم کو معلق فرمایا ہے عورت کے اعتراف و اقرار کے ساتھ تو معلوم ہوا کہ اعتراف بھی صاحب اقرار پر حجت ہوتا ہے اور اس پر احکام مرتب ہوتے ہیں اور جب اقرار حدود میں حجت و دلیل بن گیا ہے۔ جو کہ شبہات سے گر جاتی ہیں تو دوسری چیزوں میں بطریقۂ اولیٰ حجت و دلیل ہوگا۔

۲۔ حدیث بخاری و مسلم و احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول اِنِّیْ زَنَیْتُ۔ میں نے زنا کیا ہے آپ نے اس سے اعراض کر لیا پھر اس نے یہ کلمہ چار مرتبہ دھرایا تو آپ نے دیکھا کہ اس نے اپنے نفس پر چار مرتبہ گواہی دے دی ہے تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا اَبِکَ جُنُوْنٌ: کیا تو پاگل ہے قال لا

---

[1] صحیح بخاری ج ۸ ص ۲۰۷۔ مسلم ج اول ص ۲۰۵۔ ترمذی ج ۲ ص ۱۰۷۔ سبل السلام ج ۴ ص ۳

اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کیا تو نے شادی کی ہے اس نے کہا ہاں تو آپ نے فرمایا اِذْهَبُوا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ اقرار کرنے والا شخص ماعز بن مالکؓ تھا۔

اَنَّ مَاعِزًا جَاءَ فَاَقَرَّ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَاَمَرَ بِرَجْمِهٖ۔

"یعنی ماعز آیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چار مرتبہ اقرار کیا تو آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا"[2]

۳۔ حدیث امام مسلم و ابو داؤد و نسائی وغیرہ نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت قبیلہ جہینہ کی حمل کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حد کو پہنچ گئی ہوں آپ مجھ پر حد کو قائم فرمائیے تو آپ نے اس کے ولی کو بلایا اور فرمایا اس کی نگرانی کر جب وضع حمل ہو جائے تو میرے پاس لاؤ۔ تو اس نے ایسا ہی کیا آپ نے اس کے کپڑے اچھی طرح بندھوا دیے اور سنگساری کا حکم دیا جب وہ مر گئی تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

۴۔ حدیث بخاری و بیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ارشاد فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بھائی کے مال اور جائداد کے بارے میں ظلم کیا ہے یعنی اس کا حق دبایا ہے تو اسے چاہیے کہ اس دن کے آنے سے پہلے ادا کر دے جس دن نہ کوئی درہم ہوگا اور نہ دینار اگر اس کے عمل صالح ہوں گے تو اس کے حق کے بدلے وہ ضبط کر لیے جائیں گے اور اگر عمل صالح نہ ہوں گے تو صاحب حق کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی[3]

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے مطالبہ

---

[1] صحیح بخاری بحاشیہ سندی ج ۳ ص ۱۲۰۔ مسلم بشرح نووی ج ۱ ص ۱۹۳۔ تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص : ۶۹۵۔

[2] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۱۵۔ ابو داود ج ۲ ص ۲۳۰۔ مسلم ص ۲۰۱۔ نسائی ۲۱۲۔

[3] صحیح البخاری بحاشیہ سندھی ج ۲ ص ۴۵۔ ہدایۃ الباری ج ۲ ص ۱۵۵۔ سنن الکبری ج ۶ ص ۵۳

کیا ہے جس کے پاس کسی کا حق ہے کہ وہ اس کا اقرار کرتے ہوئے یہیں دنیا میں سپرد کر دے۔
نیز حدیث مسلمان کو ترغیب دے رہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیروں کے حق سے عہدہ برا کر کے جائے ورنہ قیامت کے روز اسے یہ حقوق ادا کرنے پڑیں گے۔[1]

اقرار کی حجیت پر اجماع امت سے دلائل تمام اسلاف و اخلاف کا اس پر اتفاق ہے کہ اقرار حجت ہے اور اقرار پر خلفاء راشدین و تابعین و ائمہ مجتہدین سب نے عمل کیا ہے۔[2]

اقرار کی حجیت پر قیاس سے دلائل اقرار کو شہادۃ پر قیاس کیا گیا ہے: شہادت میں غیر کے حق کی خبر دی جاتی ہے اور اقرار میں بھی یہی چیز ہوتی ہے تو جب شہادۃ اثبات حق کے لیے حجت شرعیہ ہے۔ باوجودیکہ شہادۃ میں تو کذب کا بھی احتمال و امکان ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اقرار کو تو بطریقہ اولیٰ حجت ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں کذب کا تو احتمال نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ انسان اپنے نفس پر تو جھوٹ نہیں بولتا کہ عَلَیَّ حَقٌّ فُلَانٍ۔ مجھ پر فلانے کا حق ہے کوئی شخص ایسا پاگل نہیں ہوتا اپنے مال میں سے دوسروں کو مفت میں دیتا پھرے۔
بلکہ آج کے ماحول میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی کا حق دینا بھی ہو تو انکار کر دیتے ہیں اقرار تو فکر آخرت رکھنے والا مسلمان ہی کرتا ہے۔[3]

اقرار کی حکمت اور محاسن انسان کی فطرت میں اپنے نفس کی محبت و حفاظت داخل ہے اور وہ اپنے نفس و جان کے مصالح و منافع کے لیے ہمیشہ بر سر عمل رہتا ہے اور ہر قسم کے ضرر اور عقاب مادیہ و بدنیہ سے اپنے نفس کی

---

[1] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۴۵۔
[2] مغنی المحتاج ج ۶ ص ۲۳۸۔ الحاوی الماوردی ج ۷ ص ۱۷۱۔ تبیین الحقائق للزیلعی ج ۵ ص ۳۔ تکملہ فتح القدیر قاضی زادہ ج ۶ ص ۲۸۱
[3] الحاوی ج ۷ ص ۱۷۱۔ مغنی المحتاج ج ۲ ص ۲۳۸۔ وسائل الاثبات ج ۱ ص ۲۴۶۔

حفاظت و دفاع کرتا ہے : جیسے انسان کی فطرت میں مال کی محبت وطمع وحرص داخل ہے یہ سب خلقی طبعی صفات ہیں : تو جب انسان ارتکاب جرائم اور وقوع فی الخطا کا اقرار کرتا ہے یا اپنے آپ کو غیر کی خاطر ضرر ونقصان میں ڈالتا ہے اپنے نفس وخواہشات کی مخالفت کرتے ہوئے دوسرے کے لیے قرض امانت ۔ ودیعت اور حقوق مالیہ کا اعتراف کرتا ہے تو عقل جانب صدق ویقین کو ہی ترجیح دیتی ہے کیونکہ عاقل ایسا کذب نہیں بولتا جو اس کے نفس ومال کے لیے ضار ونقصان دہ ہو ، بایں وجہ اقرار دلیل وحجت ہوگا : قضاء اور مُقِر پر مقرلہ کے لیے مقر بہ کے لزوم کے لیے ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقرار کی حکمت عظیم ہے کیونکہ بہت سے حقوق ایسے ہیں جن میں شہادتیں معدوم ہوتی ہیں اور تحریر متعذر ہوتی ہے ان کو اصحاب حقوق کے سوا کوئی نہیں جانتا لہٰذا احقاق حق کے لیے مُدین کے ضمیر کی طرف رجوع کیا جاوے گا کہ اس کا ضمیر اقراری ہے یا انکاری ۔ اس کا ضمیر دوسرے کے حق کو ثابت کرتا ہے یا ضائع کرتا ہے تو ہم اس کے ضمیر کے مطابق فیصلہ کریں گے کیونکہ عدم شہادت وکتابت کی وجہ سے ہم مجبور ہیں ، اقرار کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے لہٰذا جیسے وہ اقرار کرے گا ویسے ہم فیصلہ کریں گے ، جب کسی انسان کی تربیت صحیح ہو عقیدہ صاف اور قوی ہو اخلاق بلند ہوں ایمان مضبوط ہو تو ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ وہ عتاب الٰہی کے خوف سے اور رضاء الٰہی کی طلب کے لیے صحیح اقرار کرے گا ۔ اور اگر عمدًا وہ کسی کے حق سے انکار کرے گا تو سزا کا مستوجب ہوگا ۔

دنیا کا مال ومتاع فانی ہے اگر وہ انکار کریگا تو کب تک اس مال سے نفع حاصل کرتا رہے گا آخر ایک دن اس نے ختم ہونا ہے : آخرت کی جزاء وسزا دائمی ہے اس لیے عاقل شخص کبھی بھی دائمی چیز کو نہیں چھوڑ سکتا : اور دائمی سزا کے لیے راضی نہیں ہوسکتا ۔

اسی بناء پر علماء نے لکھا ہے آدمی پر اعتراف بالحقوق واجب ہے ؛ خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں ۔ کیونکہ حقوق کی عدم ادائگی دخول جنت کیلیے حائل ومانع ہے اور ضیاع حقوق اکبر الکبائر ہے ومرتکب گناہ کبیرہ ناری ہے ۔

اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیع مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ اچانک موت سے قبل وصایا کو تحریر کرکے رکھیں اور حقوق کو بیان کردیں ۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِی صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَہٗ شئٌ یرید اَنْ یُّوْصِیَ فِیْہِ یَبِیْتُ لیلتین اِلَّا وَوَصِیَّتُہٗ مکتُوْبَۃٌ عِنْدَہٗ [۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کا حق کسی کے ذمہ ہے تو اس دو راتیں بھی نہ گزرنے پائیں کہ وصیت نامہ اپنے پاس لکھ دے۔

اقرار کا دوسرا فائدہ قاضی زادہ فرماتے ہیں کہ اقرار کی ایک خوبی یہ ہے کہ ایک تو انسان حقوق الناس سے عہدہ برآر ہوجاتا دوسرا لوگوں کی زبانیں اسکی مذمت سے بند ہوجاتی ہیں اور خالق الخلق راضی ہوجاتا ہے اور لوگ مقر کے صدق قول کی تعریفیں کرتے ہیں۔ عزت و وقار میں زیادتی ہوتی ہے۔ قدر ومنزلت میں اضافہ ہوتا ہے [۲]

اقرار کی شرطیں اقرار کی شروط تو کثیر ہیں کچھ مُقر میں ہوتی ہیں کچھ مقر لہ میں اور کچھ صیغہ والفاظ میں۔

ہم مختصراً اقرار کی اہم شرطیں ذکر کرتے ہیں۔

اولاً مُقر کو عاقل و بالغ ہونا چاہیے فَلَا یَصِحُّ اِقْرَارُ الصَّبِیِ والمجنُونِ والسکران۔ بچے اور مجنون اور مدہوش کا اقرار قابل قبول نہ ہوگا۔

عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیقِظَ وعَنِ الصَّبِی حتّٰی یحْتَلِمَ وَعَنْ المجنون حَتّٰی یعْقِلَ [۳]

---

[۱] بخاری ج ۳ ص ۲۔ نووی ج ۱۱ ص ۷۲۔ تحفۃ الاحوذی ج ۶ ص ۳۰۵۔ زرقانی ج ۳ ص ۵۸۔ نیل الاوطار ج ۶ ص ۳۸۔

[۲] نتائج الافکار ج ۶ ص ۲۷۶۔

[۳] ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۸۔ جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۶۸۵۔ فتح القدیر ج ۲ ص ۱۳۵ شوکانی ص ۶۱۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا جاتا ہے: (۱) سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو۔ (۲) بچے سے جب تک جوان نہ ہو۔ (۳) مجنون سے جب تک عاقل نہ ہو۔

ہاں صبی، عاقل ماذون بالتجارہ کا اقرار قابل قبول ہوگا بوجہ ضرورت کے۔

ثانیاً دوسری شرط یہ ہے کہ مقر خود مختار ہو لہذا جبری اقرار قابل قبول نہ ہوگا۔
عَنْ ثَوْبَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَ عَنْ اُمَّتِیْ الْخَطَا وَالنِّسْیَانُ وَمَا اسْتُکْرِھُوْا عَلَیْہِ [1]

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت سے خطا اور نسیان اٹھا لیا گیا ہے اور جبر و اکراہ بھی۔

ثالثاً تیسری شرط یہ ہے کہ مقر اپنے اقرار میں متہم نہ ہو۔
مثلاً کوئی مریض قریب المرگ اپنے کسی وارث کے لیے قرضہ کا اقرار کرتا ہے تو لوگ یا دیگر ورثا اس پر الزام لگائیں گے کہ شاید یہ اپنے اس وارث کو زیادہ دینے کیلیے اقرار کر رہا ہے اور ہمیں محروم رکھنا چاہتا ہے [2]

رابعاً چوتھی شرط یہ ہے کہ مُقِر معلوم شخص ہونا چاہیئے اگر مجہول شخص ہو تو اس کا اقرار معتبر نہ ہوگا کیونکہ مجہول پر قضا و فیصلہ مشکل ہے مثلاً ایک جماعت میں سے ایک شخص نے کہا فلانے کے لیے ہم میں سے کسی ایک پر ہزار اشرفیاں ہیں تو کسی پر مال واجب نہ ہوگا۔

خامساً پانچویں شرط یہ ہے کہ مُقِر محجور نہ ہو۔ جیسے بیوقوف اس کا اقرار بھی صحیح نہ ہوگا۔

---

[1] فتح الکبیر ج ۲ ص ۱۳۵ ۔ ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۵۹ ۔

[2] بلغۃ السالک ج ۲ ص ۱۷۶ ۔ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۲۳ ۔ القوانین الفقہیہ ص ۳۱۴

سادسًا مقر کھری بات کرنے والا ہو مزاق یا ہنزل گو نہ ہو مثلاً یوں کہے میرا گمان یہ ہے کہ شاید میں نے فلاں شخص کو اتنا اتنا مال دینا ہے یہ اقرار قبول نہ ہوگا۔ یہ اقرار واضح نہیں ہے۔

سابعًا ساتویں شرط یہ ہے کہ مُقَرٌ لَہٗ بھی معلوم ومتعین ہو: مجہول نہ ہو۔
مثلاً ایک شخص کہتا ہے اہل لاہور میں کسی ایک شخص کا مجھ پر ہزار روپیہ ہے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر جہالت یسیرہ ہے تو پھر اقرار صحیح ہے۔

مثلاً یوں اقرار کرے کہ ان دو شخصوں میں کسی ایک کا مجھ پر ہزار روپیہ ہے تو یہ اقرار صحیح ہے پھر اس مقر سے کہا جائے گا کہ ان کو بیان کرا در متعین کر تو جسکو وہ متعین کرے گا اس کو ہزار روپیہ دے دیا جائے گا۔

نیز یہ بھی شرط ہے کہ مقر لہ محقق الوجود ہو، اگر حمل کے لیے اقرار کیا جو کہ محقق الوجود نہیں ہوتا اقرار صحیح نہیں ہے[1]

ثامنًا آٹھویں شرط یہ ہے کہ مقر لہ تملیک کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔
مثلاً ایک شخص نے جانور کے لیے اقرار کیا تو وہ صحیح نہ ہوگا۔

تاسعًا نویں شرط یہ ہے کہ مُقَرٌ لَہٗ اس اقرار کی تکذیب نہ کرے اگر وہ تکذیب کردیگا تو اقرار باطل ہو جائے گا۔ اگر ایک مرتبہ تکذیب کردی پھر تصدیق کردی تب بھی اقرار باطل ہوگا۔ لیکن اس سے اقرار بالنسب۔ والحرّیت والوقف۔ والطلاق والنکاح مستثنیٰ ہے ان چیزوں میں اگر مقر لہ ایک مرتبہ تکذیب کر دے پھر تصدیق کر دے تو اقرار درست ہو جائے گا

عاشرًا دسویں شرط یہ ہے کہ اقرار عقلاً بھی مقبول ہو۔
مثلاً ایک شخص نے کہا کہ میں نے فلاں عورت کے حمل سے معاملہ کیا ہے یا اس سے

---

[1] اعلام الاعلام لابن عابدین ص ۱۷ - نہایۃ المحتاج ۵ ص ۲، ۷ - کشاف القناع ج ۳ ص ۳۰۵ - المغنی ج ۵ ص ۱۵۳ - بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۲۳ -

قرضہ لیا ہے یہ اقرار کیسے مقبول ہو سکتا ہے کیونکہ عقلاً حمل سے قرضہ لینا یا معاملہ کرنا ناممکن ہے۔

حادی عشر گیارہویں شرط یہ ہے کہ مقر بہ مال متقوم ہو یا مثلی چیزوں میں سے ہو اگر ایسی چیز کا اقرار کیا جو عرفاً یا شرعاً مال کے حکم میں نہ آتا ہو تو وہ اقرار لازم نہ ہوگا۔

ثانی عشر بارہویں شرط یہ ہے کہ مُقَرٌّبہٖ مُقَرٌّلہٗ کی قبضہ میں نہ ہو۔ یعنی جس چیز کا اقرار کر رہا ہے وہ پہلے سے مقر لہ کے قبضہ میں ہے تو یہ اقرار لغو ہوگا، بلکہ اس کا نام اخبار ہوگا یعنی وہ خبر دے رہا ہے کہ یہ چیز فلانے کی ہے۔

ثالث عشر تیرہویں شرط یہ ہے کہ مُقَرٌّ بہ عقلاً یا شرعاً محال بھی نہ ہو ظاہری حالت اس کے برعکس نہ ہو۔

مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ زید نے مجھے جمعہ کے روز ہزار روپیہ دیا ہے حالانکہ زید تو بدھ کو ہی فوت ہو گیا تھا تو جمعہ کے روز وہ کیسے قرض دے رہا ہے: یہ اقرار باطل ہوگا۔

رابع عشر چودہویں شرط یہ ہے کہ اقرار کے الفاظ جزم و یقین پر دال ہوں: اسمیں شک و تردد ظاہر نہ ہو مثلاً کسی نے کہا زید کو میں نے شاید دس ہزار دینے ہیں: یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔

خامس عشر پندرہویں شرط یہ ہے اقرار کسی شرط کے ساتھ معلق نہ ہو۔ مثلاً کہا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا یا فلاں شخص آگیا تو میں نے زید کو دس ہزار دینا ہے اس صورت میں احناف و شوافع و زیدیہ کا مسلک یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ہمیں علم نہیں ہو سکتا۔ نیز فلاں شخص کا آنا بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے اس لیے اقرار صحیح نہ ہوگا، لیکن حنابلہ کے نزدیک دونوں حالتوں میں اقرار لازم ہو جائے گا، مالکیہ کے نزدیک مشیت اللہ والی صورت میں اقرار صحیح مانا جائے گا اور قدوم فلاں والی صورت میں اقرار صحیح نہ ہوگا۔

لہ الشرح الکبیر ج ۳ ص ۳۹۹ - تبصرۃ الحکام ج ۲ ص ۴۲ تکملہ فتح القدیر ج ۶ ص ۳۱۴ مغنی المحتاج ج ۲ ص ۲۵۵ - شرح المحلی ج ۳ ص ۱۲

حجیت اقرار فی القانون بموجب عقل و قانون بھی اقرار حجت ہے کیونکہ اقرار اپنی مصلحت کے برعکس چیز کا اظہار ہوتا ہے لہٰذا احتمال صدق مقر راجح ہوگا احتمال کذب پر قانوناً بھی اقرار کو سید الادلہ کہا گیا ہے۔

اقرار کی قانونی شرائط (۱) اقرار عدالت کے روبرو ہو۔ (۲) اقرار دعویٰ کے ثبوت کے دوران ہو یعنی مدعی اپنے حق پر ثبوت پیش کر رہا ہے تو مدعی علیہ نے فوراً اقرار کر لیا کہ واقعی میں نے یہ حق اس مدعی کا دینا ہے۔ (۳) اقرار واضح اور صریح الفاظ کے ساتھ ہو۔ (۴) مقر تصرف کا اہل بھی ہو یعنی عاقل بالغ ماذون التجارہ والتصرف ہو۔ (۵) مقر لہ کا اہل ہونا شرط نہیں لہٰذا صغیر مجنون کے لیے اقرار کر سکتا ہے انکی جانب سے ولی قبضہ کرے گا۔[۱]

قضاء فی الاقرار قاضی و جج جب دیکھے کہ اقرار کی تمام شرائط موجود ہیں تو وہ بموجب اقرار مُقِر پر مُقَر بہ کے لزوم کا فیصلہ صادر کر دے اور مُقِر کو حکم دے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری و دین سے جلدی عہدہ برآ ہو اور مقر بہ کو ادا کرے۔

اگر وہ قاضی فیصلہ نہیں کرتا تو مُضیع حق شمار ہوگا عنداللہ مجرم ہوگا۔

قال تعالیٰ یَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ[۲]

ترجمہ: اے داؤد علیہ السلام ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا آپ لوگوں کے درمیان حق فیصلہ کریں۔

اقرار اور شہادۃ میں فرق اقرار بذات خود حجت کاملہ ہے اور حکم کے لیے مُثبِت و مُؤکِد ہے۔ اور شہادت بذات خود حجت نہیں ہے اور نہ ہی محض شہادت سے حق ثابت ہوتا ہے بلکہ شہادت کے بعد قاضی اور جج کا فیصلہ و حکم ثبوت حق کے لیے ضروری ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ فیصلے سے قبل شہادت سے رجوع جائز ہے لیکن اقرار کے بعد نہ فیصلے سے

---

[۱] وسائل الاثبات ص ۲۵۳ - نظریۃ الاثبات ج اول ص ۸۰

[۲] سورۃ ص الآیۃ ۲۶

قبل رجوع صحیح ہے نہ بعد میں، کیونکہ قضاء بالشہادۃ ظن کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اقرار یقین کی طرف منسوب ہوتا ہے لہٰذا اقرار ثبوت حق کے لیے بنسبت شہادت کے اقوی ہوگا۔

نیز شہادت غیر کی طرف متعدی ہوتی ہے اور اقرار مقر تک محدود ہوتا اسی واسطے فقہاء نے اقرار کو حجت قاصرہ کہا ہے اور شہادۃ کو حجت متعدیہ[1]

عدالت میں اقرار کے بعد شہادت

سوال یہ ہے کہ جب مدعیٰ علیہ مجلس قضاء میں اقرار کرے اور مدعی بہ بھی ثابت ہوجائے اور قاضی فیصلے کا ارادہ بھی کرے تو کیا قاضی محض اقرار پر فیصلہ کر سکتا ہے یا اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ مقر کے اقرار پر دو گواہ طلب کرے اور گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کرے۔

جواب اس مسئلے میں فقہاء کے دو قول ہیں:

قول اول: لَا يَحْكُمُ الْقَاضِي بِمُجَرَّدِ الْإِقْرَارِ وَيَحْضُرُ شَاهِدَيْنِ عَلَى الْمُقِرِّ وَيَحْكُمُ لِشَهَادَتِهِمَا۔

ترجمہ: قاضی محض اقرار سن کر فیصلہ نہ کرے بلکہ دو گواہ طلب کرے اور ان کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرے۔

یہ بعض مالکیہ اور حنابلہ کا قول ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں کر سکتا، قاضی کا اقرار سننا اور اس پر فیصلہ کرنا ان کے نزدیک قضا بعلم القاضی ہے اور وہ جائز نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے مقر انکاری ہوجائے یا اقرار سے رجوع کرے۔ جب قاضی دو شخصوں کی گواہی بھی سن لے گا۔ ایک تو فائدہ یہ ہوگا مقر انکار یا رجوع نہیں کر سکے گا۔ دوسرا یہ کہ قاضی کا فیصلہ شہادۃ وشاہدین کے سبب لازم الوصول ہوگا[2]

---

[1] معین الحکام ص ۱۲۸ تکملہ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۸۵ - کشاف القناع ج ۴ ص ۲۹۱

[2] المغنی ج ۹ ص ۵۴ -

قول ثانی یَحْکُمُ الْقَاضِی بِالْاِقْرَارِ وَلَا بِحُضُورِ شَاهِدَیْنِ عَلَیْہِ وَیَکْتَفِیْ بِسَمَاعِہٖ ۔

ترجمہ : قاضی محض اقرار پر فیصلہ کر دے گواہوں کے طلب کی ضرورت نہیں ۔ اور اپنے سماع پر ہی اکتفا کرے ۔ یہ قول حنفیہ اور شافعیہ اور راجح قول حنابلہ اور بعض مالکیہ کا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اقرار بذاتِ خود حجت ہے مزید براں یہ کہ قاضی کی مجلس میں اقرار واقع ہوا ہے ۔

نیز شہادت تو اس لیے طلب کی جاتی ہے تاکہ حق کا ثبوت ہو جائے جب قاضی نے اپنی آنکھوں سے ایک واقعہ دیکھا ہے یا اپنے کانوں سے اقرار سنا ہے تو اس کا علم شہادت سے زیادہ معتبر ہوگا ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قاضی امین ہوتا ہے وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے راجح بھی یہی دوسرا قول ہے کیونکہ یہ فیصلہ بعلم القاضی نہیں بلکہ باقرار المقر ہے ۔

نیز اگر ہم قاضی پر طلب شاہدین لازمی کرتے ہیں تو پھر یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ گواہ بھی جھوٹے ہوں پھر ان پر دو اور گواہ طلب کیے جائیں اسی طرح تو تسلسل لازم آجائے گا یا دور لازم آئے گا اور وہ شرعًا باطل ہے ۔

۲ ۔ یہ کہ اگر ہم مجلس قاضی کے اقرار کا بھی اعتبار نہ کریں اور غیر مجلس قضاء کا بھی اعتبار نہ کریں تو پھر دونوں میں فرق کیا رہے گا ۔

اس طرح تو عدالتیں عبث ہو جائیں گی اور نزاع ختم نہیں ہو سکیں گے ۔ یہی وجہ ہے کہ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ رکھا جاتا ہے تاکہ عدالتیں مکمل طور پر آزادانہ فیصلے کر سکیں اور ان کا وقار اور عزت قائم رہے لے

۳ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر حد رجم جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا ۔

لے الطرق الحکمیہ ص ۱۹۴ مختصر المزنی ج ۵ ص ۳۴۶ ۔ البحر الرائق ج ۷ ص ۲۰۲ ۔ بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۵۰۹ ۔ المغنی ج ۹ ص ۵۴

جس نے خود آپ کے سامنے اعتراف جرم کیا تھا ، آپ نے اس پر کوئی گواہ طلب نہیں فرمائے تھے ۔

اقرار کے بعد گواہی سننا

احناف کے نزدیک اقرار سید الادلہ اور اقوی الحجج ہے اور حجت کاملہ ہے ۔ اقرار کے بعد مُقر پر مُقَر بہ لازم ہو جاتا ہے اور قاضی پر فیصلہ ضروری ہو جاتا ہے اور شہادت سننے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ قوی حجت کے بعد ضعیف کی کیا ضرورت ہے ۔

نیز بیّنہ تو منکر پر قائم کئے جاتے ہیں اور جب مدعیٰ علیہ خود مُقر ہے تو بیّنہ بے سود ہیں ہاں کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں اقرار کے بعد شہادت سننا جائز ہے ۔ مثلاً حکم مُقر سے کسی غیر کی طرف تعدّی کر رہا ہو ۔

مثال نمبر ۱

یا مقر کے علاوہ کسی غیر شخص سے اس میں ضرر کا اندیشہ ہو ورثا میں سے ایک وارث نے اقرار کیا کہ میت پر زید کا بھی قرض ہے تو اب اس صورت میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ مُقر وارث دوسرے ورثا کو نقصان پہنچانے کیلیے اقرار کر رہا ہو تو اب اس اقرار کے بعد مُقَرلہٗ کے لیے جائز ہوگا کہ اپنے دین کے لیے بیّنہ پیش کرے کیونکہ یہاں فیصلہ صرف مقر پر نہیں ہوگا بلکہ بقیہ ورثا کی طرف بھی متعدی ہوگا ۔

مثال نمبر ۲

ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں کی طرف سے قبض دین کا وکیل ہوں ۔ اور مدعیٰ علیہ بھی اس کی وکالت کا اقرار کرتا ہے تو اب وکیل کو اپنی وکالت کے ثبوت پر بیّنہ پیش کرنا جائز ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مقروض وکیل کو قرضہ ادا کر دے اور قرض خواہ یعنی موکل انکاری ہو جائے کہ میں نے تو اسکو وکیل نہیں بنایا تھا مجھے قرضہ ادا کر دو تو اب مقروض وکیل کو ادا کرنے سے بری الذمہ نہ ہوگا اس کو دوبارہ قرضہ ادا کرنے کا ضرر اٹھانا پڑے گا ۔

اور قرض خواہ یعنی موکل انکاری ہو جائے کہ میں نے تو اس کو وکیل نہیں بنایا تھا مجھے قرضہ ادا کر دو تو اب مقروض وکیل کو ادا کرنے سے بری الذمہ نہ ہوگا اسکو دوبارہ قرضہ ادا کرنیکا ضرر اٹھانا پڑے گا ۔

مزید مثالوں کے لیے دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۵۸۷ ۔ الاشباہ والنظائر ابن نجیم ص ۹۰ ۔ الاصول القضائیہ ص ۱۴۱ ۔

اقسام اقرار اقرار کی تین قسمیں ہیں :
(۱) اقرار بسیط ۔ (۲) اقرار موصوف ۔ (۳) اقرار مرکب ۔

قسم اوّل اقرار بسیط اس کا دوسرا نام اقرار کامل بھی ہے وہ یہ ہے کہ مقر بعینہٖ انہیں الفاظ سے ساتھ حق کا اقرار کرے جن کے ساتھ مدعی نے دعویٰ کیا ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرے ۔

مثلاً ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ زید نے مجھ سے دو ہزار روپے قرض لیے تھے ایک سال کی مدت کے لیے زید جواب میں کہتا ہے واقعی میں نے اس سے دو ہزار روپے ایک سال کی مدت کے لیے قرض لیے تھے ۔

اس قسم کا حکم تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس قسم میں تجزّی و تعدیل جائز نہیں یعنی مُقر کے اقرار کے مطابق فیصلہ صادر کرنا ضروری ہے ۔

قسم ثانی اقرار موصوف وہ یہ ہے کہ مدعی جن شرائط اور اوصاف کے ساتھ اپنے حق کا دعویٰ کرتا ہے مُقر ان شرائط و اوصاف میں کچھ تبدیلی کر کے اقرار کرتا ہے ۔

مثلاً زید دعویٰ کرتا ہے کہ بکر کو میں نے دو ہزار روپے قرض دیے تھے دو سال کی مدت کے لیے اب وہ مدت مکمل ہو چکی ہے ۔ بکر کہتا ہے دو ہزار روپے میں نے قرض لیے تھے۔ تین سال کی مدت کے لیے ابھی مدت مکمل نہیں ہوئی ، یا زید دعویٰ کرتا ہے میں نے بکر کو قرض دیا تھا بغیر کسی شرط کے بکر کہتا ہے نہیں شرائط بھی مقرر ہوئی تھیں ۔

اس قسم کا حکم اقرار موصوف میں فقہاء کے دو قول ہیں قول اوّل یہ ہے کہ اقرار موصوف میں تجزّی و تعدیل جائز نہیں ہے یعنی جن اوصاف کے ساتھ مقر اقرار کرے گا وہ قبول کرنا ہوگا یا رد کرنا ہوگا کیونکہ دعویٰ میں مدت کا ذکر تھا اور مدعی علیہ بھی مدت کا اقراری ہے صرف کمی زیادتی کا فرق ہے یعنی مدعی کم مدت کا دعویٰ کرتا ہے اور مدعیٰ علیہ زیادہ مدت کا اقرار کرتا ہے ۔ مگر مدت تو دونوں میں موجود ہے ۔

اس جھگڑے کو ختم کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ مدت واجل پہ گواہ قائم کر دیے

جائیں اگر گواہ نہیں ہیں تو مُقر کے اقرار کے مطابق قبول کرو۔ هكذا نقل ابن القيم عن اياس وقال هذا ايضًا من احسن القضاء۔[1]

یہ مذہب شوافع بعض مالکیہ وبعض حنابلہ وظاہریہ کا ہے۔

قول ثانی اقرار موصوف میں تجزی جائز ہے یعنی قاضی کو اختیار ہے کہ اقرار کے ایک جزو کو قبول کرے اور دوسرے کو نہ کرے یعنی جب اس نے دین کا اقرار کر لیا تو اجل اور مدت میں کیوں تبدیلی کرتا ہے اس کو بھی مدعی کے دعویٰ کے مطابق تسلیم کرے اگر وہ مدعی کے دعویٰ کے مطابق تسلیم نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ وہ اقرار سے راہِ فرار اختیار کر رہا ہے لہٰذا قاضی اسے اس قسم کی حیلہ سازیوں کی اجازت نہ دے۔

یہ مذہب حنفیہ اور شافعیہ، وبعض مالکیہ وامامیہ وزیدیہ کا ہے۔[2]

قسم ثالث، اقرار مرکب وہ یہ ہے کہ ایک شخص اقرار کرے ایک واقعہ کے ساتھ۔ پھر اس کے ساتھ دوسرا واقعہ بھی اس کے ساتھ ملا دے۔ مثلاً اقرار کیا دین کا۔ پھر کہا میں نے وہ ادا کر دیا تھا: دیکھو ایک مرتبہ اقرار کیا: پھر تھوڑی کے بعد کہا میں نے ادا کر دیا۔

اقرار مُرکب کا حکم اس قسم میں بھی دو قول ہیں:

اصحاب الظواہر وبعض الشافعیہ وبعض الحنابلہ کا۔ قبول کریں تو کل کریں رد کریں تو کل کریں۔

انکی دلیل یہ ہے کہ اقرار جملہ واحدہ ہوتا ہے اقرار میں تبعیض کو قبول نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ کلام واحد ہوتا ہے لَا يَجُوْزُ الْاَخْذُ بِبَعْضِهٖ دُوْنَ بَعْضٍ کہ ہم کچھ حصے پر عمل کریں اور کچھ پر نہ کریں یہ جائز نہیں۔

---

[1] طرق الاثبات الشرعیہ ص ۲۳۱۔

[2] تکملہ فتح القدیر ج ۶ ص ۲۹۷۔ المهذب ج ۲ ص ۳۵۱۔ رد المختار ج ۵ ص ۵۹۵

دوسرا قول احناف ۔ شوافع کا قول راجح ۔ بعض حنابلہ و مالکیہ کا ہے کہ اقرار مرکب میں تبعیض علی المقر جائز ہے یعنی قاضی یا مقرلہ کو اختیار رہے کہ اس کے اقرار کے ایک حصّہ کو قبول کریں اور دوسرے کو نہ کریں ۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ مُقِر نے دو باتیں علیحدہ علیحدہ کیں ہیں پہلی اقرار ہے دوسری دعویٰ ہے لہٰذا مقر بہ تو اس پر لازم ہو جائے گا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے شواہد و براہین و بَیّنہ پیش کرنے ہونگے[1]

راجح بات علماء متاخرین نے کہا ہے اقرار خواہ مرکب ہو یا موصوف ہو کسی میں بھی تجزی تبعیض نہیں کرنی چاہیے ۔ یعنی مقر کی آدھی بات کو تو قبول کرلیں اور آدھی کو رد کر دیں یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اقرار کو جب حجت کاملہ مان لیا گیا ہے تو اب یہ کیسے مناسب ہو گا کہ ہم مقر کو اقرار کی سزا دیں اس طرح کہ جو چیز اسکے نقصان میں ہے وہ ہم لاگو و نافذ کر دیں اور جو چیز اس کے نفع کی وہ ہم چھوڑ دیں : ہمیں اس کے اقرار پر اعتماد کرنا ہوگا ۔ ورنہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ لوگ کذب و انکار حق پر مجبور ہو جائیں گے[2]

قانونی اقرار کی قسمیں قانونی اقرار کی دو قسمیں ہیں :
(۱) قضائی رسمی ۔ (۲) غیر القضائی ۔

اقرار قضائی رسمی میں دو شرطیں ہیں :

۱ ۔ جب سے قضیہ چل رہا ہے تو اس مدت کے دوران اقرار کیا جائے ۔

۲ ۔ اقرار عدالت کے سامنے ہو ۔

اقرار غیر قضائی جس میں یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں ۔

اقرار غیر قضائی حجت کاملہ ہوتی ہے نزاع ختم ہو جاتا ہے مدعی کو اثبات کی ضرورت

---

[1] تکملہ فتح القدیر ج ۶ ص ۲۹۶ ۔ حاشیہ ابن عابدین ۵ ص ۵۹۴

[2] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۶۳ ۔ قانون اثبات المصری ص ۱۰۱
قانون بینات السوری ص ۱۹۵

نہیں رہتی ، قاضی پر مواخذہ مقرلازمی ہوجاتا ہے اقرار غیر قضائی جو عدالت کے روبرو نہ ہوتو وہ حجت قویہ نہیں ہوتا تواس میں مدعی کو اثبات کے لیے شہادت پیش کرنی پڑتی ہے[۱]

وہ حقوق جو اقرار کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اقرار کے ساتھ جمیع حقوق ثابت ہوتے ہیں ۔ خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد بدنی ہوں یا مالی عینی ہوں یا دینی : سرکاری ہوں یا نجی ؛ فوجی ہوں یا دیوانی اقرار مقید ہو یا مطلق ۔ مجہول ہو یا معین ۔ خاص ہو یا عام تبرع ہو یا معاوضۃً غرضیکہ جمیع حالات شخصیہ مثلاً نکاح ۔ طلاق ۔ نفقہ ۔ نسب ۔ رضاعت ۔ عدت ۔ رجعت ۔ اقرار سے ثابت ہوجاتے ہیں ۔

قاعدہ کلیہ

فکُلٌّ مَا یجوز الانتفاع به و یختص بفرد او جماعة یجوز الاقرار به و اثباته امام القضاء بالاقرار وَایضًا کُلٌّ حَقٍّ یلتزم به الشخص لاخر اما بالتصرف الارادی کالمعاملات والنکاح واما بحکم شرعی کالالتزام بالنفقة الشرعیة والنسب وضمان المتلفات وتعویض الاضرار ۔

ترجمہ : ہر وہ چیز جس سے منتفع ہونا جائز ہے خواہ وہ فرد کے ساتھ خاص ہو یا جماعت کے ساتھ اس کا اقرار کرنا بھی جائز ہے اور فیصلہ کے وقت اس کو اقرار کے ساتھ ثابت کرنا ۔ نیز ہر وہ حق جس کے سبب ایک شخص دوسرے کے لیے ملزم بنتا ہے خواہ وہ تصرف ارادی ہو جیسے معاملات اور نکاح وغیرہ یا حکم شرعی ہو جیسے نفقہ شرعیہ ۔ نسب ۔ جنایات کی ضمان اور نقصانوں کا معاوضہ ان سب کو اقرار سے ثابت کیا جا سکتا ہے ۔

فقہاء نے اپنے قواعد و ضوابط کے تحت بے شمار جزئیات و مفردات نقل کی ہیں جن کا ضبط کرنا اس مختصر مقالے میں قارئین کو مشقت میں ڈالنا ہے : ہم آپ کے سامنے صرف تین مثالیں زیب قرطاس کرتے ہیں ۔ (۱) اقرار بالنسب ۔(۲) اقرار فی مرض الموت

(۳) اقرار بالکتابت ۔

اقرار بالنسب

شریعت غرّا ر دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم پر بے پایاں عنایت ہے کہ اس نے انسانی زندگی کے ہر لمحہ ۔ و ہر شعبہ کیلیے ہدایات وقواعد واحکام وضع کیۓ ہیں پھر ان میں سے بعض موضوعات کو جن میں انسانیت کے لیے فوائد کثیرہ مضمر تھے خصوصیت کے ساتھ بالتفصیل ذکر کیۓ ہیں خواہ وہ افرادی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے تھے یا اجتماعی زندگی کے ساتھ ۔ مثلاً اسی حفظ انساب ہی کو لے لیجیۓ کہ اس میں ہر اس طریقہ کو حجت قرار دیا جس سے نسب کا ثبوت ہوتا تھا اور اس طریقہ کو رد کر دیا جس سے نسب میں ذرہ بھر بھی شک وتردد کی راہ نکلتی تھی شریعت اسلامیہ نے نسب کو بہت بلند مقام دیا ہے کیونکہ اس سے خاندانوں کی تنظیم وافراد کی حفاظت ہوتی ہے آپس میں روابط کی توثیق ہوتی ہے ۔ اجتماعی تکافل وتعاون کی راہیں استوار ہوتی ہیں ۔

اسی بنا پر نسب سے انکار کو کبیرہ گناہ کہا ہے اور اس کے مرتکب پر سخت وعید فرمائی ہے ۔

۱ :۔ عن سعدؓ وابی بکرۃؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ادَّعٰی اَبًا فِی الْاِسْلَامِ یَعْلَمُ انہ غَیْرُ اَبِیْہِ فَالْجَنَّۃُ عَلَیْہِ حَرَامٌ ۔ [۱]

ترجمہ : حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص عمداً غیر شخص کو اپنا باپ بناتا ہے (نسب بدلتا ہے) اس پر جنت حرام ہے ۔

۲ :۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَرْغَبُوا عن اٰبائِکُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِیْہِ فَھُوَ کُفْرٌ ۔

---

[۱] بخاری ص ۱۱۵ ، مسلم ج ۱ ص ۱۹ ، ابوداؤد ج ۲ ص ۶۲۳ ، مسند احمد ج ۵ ص ۳۸ ابن ماجہ ج ۲ ص ۸۷۰ ۔

[۲] بخاری شرح سندھی ص ۱۱۵ ۔

ترجمہ : اپنے آباء (انساب) سے اعراض نہ کرو جو شخص اپنے باپ سے اعراض کرتا ہے وہ کفر کا کام کرتا ہے۔ دیکھا نسب و خاندان کی تبدیلی پر کتنی سخت تہدید و وعید ہے جس کو ہم معمولی کام سمجھ کر میراثی سے قریشی اور سیّد کہلانے لگتے ہیں

اقرار نسبی کی قسمیں

اقرار بالنسب کی دو قسمیں ہیں :

(۱) اقرار بالنسب المباشر۔ (۲) اقرار بالنسب غیر المباشر:

اوّل سے مراد ہے ابوۃ و امومۃ اور ولد کا اقرار کرنا : اور ثانی سے مراد ہے والدین اور ولد کے علاوہ دوسرے اقربا، مثلاً بھائی۔ بھتیجے۔ چچے۔ چچازاد بھائی : اجداد و اولادِ اجداد کا اقرار کرنا۔

اقرار بالنسب المباشر میں مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف ولد کا اقرار کر سکتا ہے یعنی یہ کہہ سکتا ہے کہ فلانا میرا بیٹا ہے اور اس کا نام استلحاق ہوتا ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک والدین اور ولد اور زوجہ کا اقرار بھی کیا جا سکتا ہے اور عورت صرف والدین اور وُلَد کا اقرار کر سکتی ہے شوہر کا اقرار نہیں کر سکتی، اور اس اقرار کا نام نسب اصلی یا اقرار بالوارث رکھا جاتا ہے اور نسب غیر مباشر کے اقرار کو نسب فرعی کا نام دیا جاتا ہے احناف کے نزدیک عورت اپنے خاوند کا اقرار بھی کر سکتی ہے [1]

اقرار بالنسب المباشر کی شرطیں

اس کی بہت سی شرطیں ہیں :
بعض متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ :

شروط متفق علیہ

(۱) شرط : جہالۃ النسب : وہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے بارے میں اقرار کرتا ہے کہ یہ میرا باپ ہے یا میری ماں ہے تو ان کا نسب مجہول ہونا چاہیے کسی کو ان کا نسب صحیح معلوم نہ ہو کہ یہ کون ہیں کہاں پیدا ہوئے کیونکہ اگر انکی جگہ کا علم ہو جائے تو پھر وہ معلوم النسب شمار ہوں گے۔

---

[1] مبسوط ج ۱۷ ص ۱۱۸۔ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۲۸۔ بلغۃ السالک ج ص ۱۸۰۔

۲۔ شرط یہ ہے کہ جس رشتہ کا اقرار کیا جارہا ہے وہ عقلاً و عرفاً ممکن بھی ہو: مثلاً ایک شخص کسی مجہول النسب کے باپ ہونے کا یا بیٹے ہونے کا اقرار کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے کہ یہ شخص میرا باپ ہے یا میرا بیٹا ہے: اگر کوئی چھوٹی عمر والا کہتا ہے کہ بڑی عمر والا میرا بیٹا ہے تو کیسے مانا جاسکتا ہے کہ باپ کی عمر چھوٹی ہے اور بیٹے کی بڑی۔

حدِ بلوغت احناف کے نزدیک اقل مدت سن بلوغ کی مرد کے لیے بارہ سال ہے اور حمل کی اقل مدت نصف سال ہے لہٰذا کوئی مرد ساڑھے بارہ برس کی عمر میں کسی کے باپ ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔

اور عورت کے لیے اقل مدت بلوغت کی ۹ سال ہے و نصف سال حمل کی مدت ہے تو کوئی عورت ساڑھے نو سال میں ماں ہونے کا دعویٰ کرسکتی ہے: عند الشوافع والحنابلہ اقل مدت سن بلوغ کی مرد کے لیے دس سال اور عورت کے لیے ۹ سال: اقل مدت حمل کی نصف سال تو اس طرح مرد ساڑھے دس سال کی عمر میں اور عورت ساڑھے ۹ سال کی عمر میں ابوۃ وامومۃ کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ لیکن زیادہ راجح قول یہ ہے کہ طبائع واماکن کے اختلاف کے سبب سن بلوغ میں فرق پیدا ہوسکتا ہے تو ڈاکٹروں اطباء و ماہرین طبعیات کا مشورہ اس میں ضروری ہونا چاہیے۔

۳۔ شرط یہ ہے کہ مُقَرٌّلہٗ بھی اس اقرار کی تصدیق کرے یعنی مُقِر نے جب کسی کے بارے میں کہا یہ میرا بیٹا ہے یا میرا باپ ہے تو مقرلہ بھی تصدیق کرے کہ واقعی اس نے سچ کہا ہے کیونکہ باپ یا بیٹا ہونے سے اس پر حقوق مالیہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔

نیز حصول تصدیق کے لیے وقت معین کی شرط بھی نہیں ہے اگر مقر کی وفات کے بعد بھی تصدیق کرے گا تو قبول کیا جاوے گا[۲]

ہاں اگر مقرلہ صغیر السن ہے اور ہے بھی غیر مُمَیِّز تو بھی اس کی تصدیق کی ضرورت

---

[۱] مجمع الانہر ج ۲ ص ۳۰۴۔ کشاف القناع ج ۳ ص ۲۹۹۔ الحاوی ج ۷ ص ۲۱۰۔

[۲] المبسوط ج ۱۷ ص ۹۸

نہیں ہے نہ فی الحال اور نہ بعد البلوغ کیونکہ انساب میں احتیاط کی ضرورت ہے اور بچہ ثبوت نسب کا محتاج ہے شوافع نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر بعد البلوغ بھی وہ تکذیب کر دے گا تو اس کا نسب باطل نہ ہوگا۔

احناف نے صغیر السّن الممیّز کی عمر سات سال بتائی ہے یعنی سال کا بچہ سمجھدار ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق و تکذیب قبول ہو گی اس سے قبل اس کا کوئی اعتبار نہیں لیکن جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ مکلف عاقل بالغ کی تصدیق کا اعتبار ہے غلام ممیّز قبل البلوغ کی تصدیق کافی نہیں ہے [۱]

قواعد شرعیہ کے اعتبار سے جمہور کے قول کو راجح کیا گیا ہے کیونکہ بچہ قبل البلوغ مکلف نہیں ہوتا لہٰذا اس کے کسی تصرف کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وَعَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَحْتَلِمَ وعن الْمَجْنُوْنِ حَتّٰی یَعْقِلَ۔

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں سے قلم اٹھالی گئی ہے سوئے ہوئے سے جب تک بیدار نہ ہو۔ (۱) بچے سے جب تک بالغ نہ ہو۔ (۲) مجنوں سے جب تک عاقل نہ ہو۔

۴۔ شرط تصدیق الزوج: عورت اگر بچے کا اقرار کرتی ہے خواہ متزوجہ ہو یا معتدہ ہو۔ یعنی وہ کہتی ہے کہ یہ میرا بچہ میرے خاوند سے ہی ہے۔ تو اب اس میں شرط ہوگا کہ اس کا خاوند تصدیق کرے کہ واقعی میرے نطفے سے ہے۔

وَالْاِقْرَارُ حُجَّۃٌ قَاصِرَۃٌ فَلَا تَصِحُّ اِقْرَارُ الزَّوْجَۃِ اِلَّا بِتَصْدِیْقِ الزَّوْجِ فَاِذَا کَذَّبَھَا الزَّوْجُ فَلَا یَثْبُتُ النَّسَبُ

---

[۱] شرح المحلی المنہاج ج ۳ ص ۱۴۱

[۲] ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۸ تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۶۸۵

مِنْهَا اِلَّا بِاِثْبَاتِ الوِلَادَةِ بِالشَّهَادَةِ الشَّرْعِيَّةِ وَاَقَلُّهَا اَرْبَعُ نِسْوَةٍ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ وَالْاِمَامِيَّةِ وَالظَّاهِرِيَّةِ وَاِمْرَأَةٌ وَّاحِدَةٌ عِنْدَ الحنفِيَّةِ وَالزَّيْدِيَّةِ وَاِثْنَتَانِ عِنْدَ المَالِكِيَّةِ۔

ترجمہ: اقرار حجت قاصرہ ہے لہٰذا زوجہ کا اقرار بغیر تصدیق شوہر صحیح نہ ہوگا: پس جب خاوند تکذیب کرے گا تو نسب ثابت نہ ہوگا جب تک شہادت شرعیہ کے ذریعہ ثبوت ولادت پیش نہ کیا جاوے گا: امامیہ اور ظاہریہ اور شوافع کے نزدیک کم از چار عورتوں کی شہادت سے اور حنفیہ کے نزدیک ایک عورت کی گواہی ہے اور مالکیہ کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی ہے[۱] ہاں اگر مرد بچہ کا اقرار کرے تو اس میں تصدیق زوجہ شرط نہیں ہے۔

۵۔ شرط مرد اگر کسی کے بارے میں اقرار کرتا ہے کہ یہ میرا والد ہے یا بیٹا ہے تو اس میں شرط ہوگا کہ سبب صحیح بیان کرے یعنی ثبوت نکاح پیش کرے[۲]

شروط مختلف فیہ یعنی وہ شرائط جن میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

شرط اوّل حیاۃ المقرلہ یعنی اقرار کے وقت مُقَرلَہٗ کا زندہ ہونا۔

قول اوّل احناف اور مالکیہ کے نزدیک اقرار کے وقت مقرلہ کا زندہ ہونا شرط ہے[۳]

انہوں نے دلیل (۱) یہ پیش کی ہے کہ انسان ثبوت نسب کا محتاج ہے زندگی میں نہ کہ مرنے کے بعد: کیونکہ حکم اقرار محل کو چاہتا ہے اور میت محل نہیں ہے۔

۲۔ نیز وراثت نسب کی فرع ہے جب اصل ہی ثابت نہیں تو فرع کیسے ثابت ہوگی۔

---

[۱] مبسوط ج ۱۷ ص ۱۱۸۔ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۶۱۷۔ بحرالرائق ج ۷ ص ۲۵۵ وسائل الاثبات ج اول ص ۲۷۵

[۲] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۷۶

[۳] شرح الکبیر ج ۳ ص ۴۱۲۔ مغنی ج ۲ ص ۲۵۹۔

۳ ۔ اقرار بعد الموت استحقاق ترکہ کے لیے ہے لہٰذا یہ صورۃً تو اقرار ہوگا حقیقۃً دعویٰ ہوگا اور فیصلہ محض دعویٰ پر دے دیا جائے تو اس طرح وہ لوگوں کے خون اور مال کے دعویٰ کرنے لگیں گے ؛ اس لیے مدعی کے لیے بیّنہ اور مدعیٰ علیہ کے لیے یمین ضروری ہے ۔

۴ ۔ اقرار بالنسب میں مقرلہ کی تصدیق ضروری ہوتی ہے اور میت تو تصدیق نہیں کر سکتا۔[۱]

قول ثانی شوافع اور حنابلہ اور امامیہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک مُقَرلہٗ کا وقت اقرار زندہ ہونا شرط نہیں ہے ؛ ان کے نزدیک اقرار بالنسب صحیح ہے خواہ مقرلہ زندہ ہو یا مردہ ؛ قبل الموت چھوٹا ہو یا بڑا ۔

قول ثالث بعض شوافع اور امامیہ کا ہے کہ اگر مُقَرلہٗ بڑا ہے تو وقت اقرار زندہ ہونا شرط ہے اور اگر مقرلہ چھوٹا ہے تو بوقت اقرار زندہ ہونا شرط نہیں ہے ۔

ان تینوں قولوں میں دوسرے قول کو ترجیح دی گئی ہے ۔

لِاَنَّ النَّسَبَ شَرَفٌ لِلْاِنْسَانِ فِیْ حَیَاتِہٖ وَبَعْدَ مَمَاتِہٖ۔

ترجمہ ؛ انسان خواہ زندہ ہو یا مردہ نسب اس کے لیے ایک شرف ہے کیونکہ انسان کی تکریم یا توہین نسب پر محمول ہوتی ہے جس کی ضرورت مرنے کے بعد بھی ہوتی ہے ۔ اس لیے مُقَرلہٗ کے لیے بوقت اقرار زندہ ہونا ؛ شرط نہیں ہونا چاہیے ۔

شرط ثانی عدم المنازعۃ کسی شخص نے اقرار کیا کہ یہ وَلَدِ صغیر میرا لڑکا ہے تو اس اقرار میں حنابلہ اور حنفیہ اور امامیہ کی شرط[۲] یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص مقابلے میں منازع اور مُدعی نہ ہو ۔ کیونکہ مقابلے میں کوئی دوسرا شخص منازع اور مدعی کھڑا ہو جائے گا تو یہ صُورت اقرار کی نہ رہے گی بلکہ دعویٰ

---

[۱] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۷۶ ۔ المبسوط ج ۱۷ ص ۱۵۸

[۲] شرائع اسلام ج ۲ ص ۱۱۵ وسائل الاثبات ج اول ص ۲۷۷ ۔

کی شکل بن جائے گی۔

تو مقر کو دوسرے پر بغیر بَیّنہ اور ثبوت کے ترجیح نہ دی جائے گی۔ امامیہ کہتے ہیں کہ اگر بَیّنہ نہ ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی کیونکہ ہر امر مشکل کا حل قرعہ اندازی ہے۔ شوافع فرماتے ہیں اگر یہ تنازع عاقل بالغ لڑکے کے بارے میں پیدا ہوا ہے تو پھر وہ لڑکا ان دونوں میں سے جس کی تصدیق کر دے گا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر دونوں کی تصدیق کرے یا کسی کی بھی تصدیق نہ کرے تو پھر قیافہ لگانے والوں پر پیش کیا جائے گا۔ وہ جسکی تصدیق کر دیں گے اس کو ترجیح دی جائے گی۔ اور اگر یہ جھگڑا نابالغ لڑکے کے بارے میں پیدا ہوا تو اب بغیر بَیّنہ کے نسب ثابت نہ ہوگا اور اگر بَیّنہ نہ ہوں تو پھر جس نے پہلے دعویٰ کیا ہے اس کو ترجیح دی جائے گی اور اگر پھر بھی تنازع ختم نہ ہو تو وہ لڑکا بعد البلوغ جس کی تصدیق کر دے گا اس کا نسب ثابت ہو جائے گا [1]

اقرار بالنسب المباشر کا حکم

جب اقرار بالنسب المباشر صحیح ثابت ہو جائے اور اس کی تمام شروط موجود ہوں۔ تو اس پر ثبوت نسب کے احکام (یعنی وراثت اور نفقہ اور حرمت) وغیرہ نافذ کر دئے جائیں گے اور اس اقرار کے ساتھ جو نسب ثابت ہوگا وہ ایسے ہوگا جیسے نسب بالفراش ثابت ہوتا ہے بلکہ اقرار کے ساتھ جو نسب ثابت ہوگا بعد میں اس کی نفی قبول نہ ہوگی۔ بخلاف نسب بالفراش کے کہ اس میں نفی اور لعان جائز ہوتا ہے ہاں شوافع اور بعض حنابلہ کا ایک دوسرا قول ہے کہ اگر مُقَرٌ لَہٗ مُقِر کی نفی اور رجوع کی تصدیق کر دے تو رجوع ثابت ہو جائے گا۔

جمہور فقہاء کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

عن عمر رضی اللہ عنہ أَنَّهٗ قَالَ مَنْ أَقَرَّ لِوَلَدِهٖ طُرْفَةَ عين فَلَيْسَ لَهٗ أَنْ يُنْفِيَهٗ [2]۔

---

[1] حاشیہ قلیوبی علی شرح المحلی ج ۳ ص ۱۵۔ وسائل الاثبات ج اول ص ۲۷۸۔ مغنی المحتاج ج ۲ ص ۲۶۰۔

[2] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۷۸۔ المبسوط ج ۱۷ ص ۹۸

یعنی جو شخص کسی بچے کا اقرار کرتا ہے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تو اس کو جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی نفی کرے۔ کیونکہ اگر نفی و رجوع کو قبول کر لیا جائے تو انساب کھلونا بن جائیں گے ہر شخص رجوع کی عادت بنا لے گا اور اقرار مزاق بن جائے گا؛ اور وہ جائز نہیں ہے[۱]

اقرار بالنسب غیر المباشر کی شرائط

شرط اوّل: یہ ہے کہ مُقَرٌّ لَہٗ بالغ ہو مقر کی تصدیق کرے جبکہ زندہ ہو: یعنی ایک شخص نے اقرار کیا کہ زید میرا حقیقی بھائی ہے یا بھتیجا ہے یا چچا زاد بھائی ہے وغیرہ وغیرہ تو زید بھی اس کے قول کی تصدیق کرے۔

شرط دوم: یہ ہے کہ مُقِر وارث ہو: غیر وارث کسی کو اپنے نسب کے ساتھ ملحق نہیں کر سکتا: پھر اس بات میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جمیع ورثاء کا اقرار ضروری ہے یا بعض کا کافی ہے۔

احناف اور مالکیہ اور امامیہ کا مذہب یہ ہے کہ غیر پر ثبوت نسب کی اساس و بنیاد شہادۃ ہے لہذا ورثا جو نسب کا اقرار کر رہے ہیں ان کا نصاب شہادت کو پہنچنا ضروری ہے اور وہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔

نیز ان گواہوں میں عدالت بھی شرط ہوگی۔ اگر وہ گواہ عادل نہیں ہیں تو ان کا اقرار باطل ہو جائے گا اور شوافع و حنابلہ کہتے ہیں نصاب شہادت شرط نہیں بلکہ جمیع ورثاء کا اقرار و تصدیق ضروری ہے کیونکہ میت کے تمام حقوق کے حقدار تمام ورثا برابر برابر ہوتے ہیں: بعض اقرار کریں اور بعض انکار کریں تو نسب ثابت نہ ہوگا[۱]

ہاں اگر میّت کا وارث ہی ایک ہے نصاب کے برابر نہیں ہے وہ ایک وارث جمیع ترکہ کا مالک بنا ہے تو اگر وہ کسی کے بھائی ہونے کا اقرار کرتا ہے تو احناف اور مالکیہ کہتے ہیں نسب تو ثابت نہ ہوگا حق وراثت ثابت ہو جائے گا اس کی علت یہ ہوگی کہ وہ ایک شخص جو جمیع مال کا مالک ہے گویا کہ وہ اپنے مال سے دوسرے کے

---

[۱] وسائل الاثبات ج ۱ ص ۲۷۹

حق کا اقرار کر رہا ہے لہذا یہ اقرار بالمال ہوگا نہ کہ اقرار بالنسب۔
اور حنابلہ اور شوافع اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ کہتے ہیں نسب بھی ثابت ہو جائے گا اور حقوق مالیہ بھی۔

احناف کی دلیل | عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ

لَامُسَاعَاۃَ فِی الاسلام۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں اِدِّعَاءُ الْاَنْسَابْ نہیں ہے یعنی کسی شخص کو اپنے نسب کے ساتھ ملحق کرنا[1]

دوسری دلیل | جس طرح وارث کو نفی نسب اور لعان کا حق نہیں اسی طرح اس کے اقرار سے نسب بھی ثابت نہ ہوگا[2]

شوافع وحنابلہ وغیرہ کی دلیل | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ نے ایک غلام میں جھگڑا کیا سعد نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا بھتیجا ہے یعنی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے اور عبد بن زمعہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے میرے باپ کی باندی سے پیدا ہوا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غور سے قیافہ لگایا تو اس کی شکل عتبہ کے مشابہ تھی آپ نے فرمایا ھولک یا عبد اے عبد بن زمعہ وہ تیرا بھائی ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ کے اعتراف کی بناپر اس کو اس کا بھائی بنا دیا تو معلوم ہوا نصاب شہادۃ ضروری نہیں ہے وارث کے اقرار سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

---

[1] ابو داؤد ج ۱ ص ۵۲۶ ۔ الحلبی المستدرک ج ۳ ص ۳۴۲ ۔
[2] وسائل الاثبات ج ۱ ص ۲۸۲

سوال پیدا ہوتا ہے کہ شکل تو عتبہ سے ملتی تھی اور آپ نے فیصلہ عبد بن زمعہ کے حق میں فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ: یعنی وَلَدْ صاحب فراش (حقیقی خاوند) کا ہوتا ہے۔

اور زانی کے لیے پتھر ہے عتبہ چونکہ عاہر تھا اس لیے اس کے حق میں فیصلہ نہ ہوا:

اقرار فی مرض الموت

یعنی آدمی اتنا بیمار ہوا اپنی ضروریات بھی پوری نہیں کر سکتا اور غالب گمان یہی ہو کہ اس کا تندرست ہونا محال ہے بالآخر وہ مر گیا: اس مرض میں اگر کوئی مریض اقرار کرتا ہے تو اس اقرار کو صحیح کہا گیا ہے خواہ وہ کسی وارث کے حق کا اقرار کرتا ہے یا غیر وارث حق کا۔

کیونکہ اقرار کی حجیت اور مشروعیت اور حکمت ومحاسن پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔ اسلیئے ہر عاقل بالغ آزاد کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے اس کو اپنے نفس اور مال پر ولایت کامل ہے۔

لیکن فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ مریض کسی غیر وارث کے لیے اقرار کرے تو وہ صحیح اور لازم ہوگا یا نہیں:

قول اوّل: جمہور فقہاء اور صحابہ اور تابعین کا قول یہ ہے کہ تندرست اور مریض کے اقرار لغیر الوارث میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں حالتوں کا اقرار صحیح اور لازم ہوتے ہیں کیونکہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ایک آدمی اپنے وارث پر کسی اجنبی شخص کو ترجیح دے۔

پھر جمہور فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اقرار جمیع ترکہ سے ادا کیا جاوے گا۔

اور بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ثلث ترکہ سے ادا کیا جاوے گا۔ یہ عندالاحناف و الحنابلہ ہے۔ دوسرے قول والوں کی دلیل یہ ہے کہ اقرار المریض لغیر الوارث محض تبرع اور وصیت ہے اور تبرع اور وصیت ثلث ترکہ سے ادا کی جاتی ہے۔

قول ثانی: بعض حنابلہ کا قول ہے کہ غیر وارث کے لیے مریض کا اقرار غیر صحیح ہے کیونکہ اس میں تہمت کا شبہ ہے شاید وارث کو محروم رکھنا چاہتا ہو لہذا اس کے اقوال و تصرف پر حجر کیا جاوے گا ورثا کے حق کی رعایت کرتے ہوئے۔

قول مختار: ان دونوں قولوں میں مختار قول جمہور فقہاء و صحابہ کا ہے۔[۱]

اقرار المریض لوارث اگر مریض اپنی مرض وفات میں کسی وارث کے لیے اقرار کرتا ہے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قول اوّل احناف و بعض شوافع و حنابلہ کا قول یہ ہے کہ اقرار تو صحیح ہے مگر وہ موقوف ہوگا غرماء اور ورثاء کی تصدیق پر اگر وہ تصدیق کر دیں گے تو لازم ہوگا اور اگر وہ تکذیب کر دیں گے تو باطل ہوگا یہ اس صورت میں ہے جبکہ مُقر مدیون ہو اور اسکے دیگر ورثاء بھی موجود ہوں بصورت دیگر اقرار لازم ہوگا، اور یہ اقرار وصیت سمجھا جاویگا۔

قول ثانی جمہور شوافع اور مالکیہ وغیرہ کا ہے کہ وارث کے لیے اقرار مریض صحیح اور لازم ہے خواہ مقروض ہو یا نہ ہو: دیگر ورثاء ہوں یا نہ ہوں۔

دلیل قول اوّل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ وَلَا اِقْرَارُ لَہٗ بِالدَّین۔

ترجمہ: وارث کے لیے وصیت بھی نہیں ہے اقرار دین بھی نہیں ہے[۲]

۲۔ روی عن سیدنا عمر و ابنہ رضی اللہ عنہما قالا اِذَا اَقَرَّ الْمَرِیْضُ لِوَارِثِہٖ لَمْ یَجُزْ وَاِذَا اَقَرَّ الاجنبی جاز۔

ترجمہ: حضرت عمر و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب مریض وارث کے لیے اقرار کرے تو جائز نہیں اور جب اجنبی اقرار کرے تو جائز ہے۔

۳۔ حضرت عمرؓ کی روایت پر تمام صحابہ کا اجماع بھی منقول ہے کسی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

۴۔ اقرار مریض کو وصیت پر قیاس کیا گیا ہے جب وارث کے لیے وصیت جائز ہے تو اقرار کیسے جائز ہوگا۔ نیز اقرار مریض کسی وارث کے لیے عندالموت

---

[۱] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۹۸۔

[۲] نصب الرایۃ ج ۳ ص ۱۱۱۔ وسائل الاثبات ج ا ص ۲۹۹

[۳] تکملہ فتح القدیر ج ۷ ص ۹۔ تبیین الحقائق ج ۵ ص ۲۵

اس پر تہمت کبیرہ ہوگی۔ کیونکہ تمام ورثہ کا ترکہ میں برابر کا حق ہوتا۔

دلیل قول ثانی اقرار کے قواعد سے واضح ہوتا ہے کہ اقرار مریض و اقرار صحیح میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (۲) اگر مریض مرض الموت میں کسی کے وارث ہونے کا اقرار کر سکتا ہے تو اقرار للوارث بھی کر سکتا ہے۔ (۳) جب غیر وارث کے لیے اقرار کر سکتا ہے تو وارث کے لیے بطریق اولی کر سکتا ہے۔

اقرار دین اگر مریض حالت مرض میں اقرار کرتا ہے کہ میں نے کسی کا قرض دینا ہے جو مجھ پر حالت مرض میں لازم ہوا ہے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا حالت صحت اور حالت مرض کا قرض برابر ہوتا ہے یا نہیں۔

قول اوّل حنفیہ اور حنابلہ کا قول یہ ہے کہ دین مرض کمزور ہوتا ہے دین صحت سے لہذا ادائیگی کے وقت دین صحت کو مقدم کیا جاوے گا اور دین مرض کو مؤخر:

ان کی دلیل یہ ہے کہ مریض کی ذمہ داری حالت مرض میں کمزور ہو چکی ہوتی ہے تو اس کو تبرّع و محاباۃ سے منع کر دیا جاوے گا۔ کیونکہ مریض کے مال کے ساتھ غرماء کے حق کا تعلق ہو جاتا ہے لہذا مریض مفلس محجور کے مشابہ ہوگا۔ تو پہلے دیونِ صحت ادا کیے جاویں گے اگر ترکہ میں کچھ بچ جاوے تو پھر دیون مرض ادا کیے جاویں گے۔

ہاں ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ جو اشیاء مرض میں خریدی ہیں ان کی مثلی قیمت ادا کر سکتا ہے نیز وہ قرضہ جو حالت مرض میں برہان سے ثابت ہو وہ بھی دیونِ صحت کے برابر ہوگا۔

قول ثانی دیون مرض مساوی ہوتے ہیں دیون صحت کے یہ شوافع و مالکیہ کا مذہب ہے۔

انکی دلیل یہ ہے کہ اقرار فی المرض بھی حجت شرعیہ ہے اور دیون صحت و دیون مرض کا محل ایک ہی ہے اور وہ دونوں ایک ہی قوۃ (یعنی اقرار) سے ثابت ہیں لہذا ایک دائن کو دوسرے دائن پر فضیلت نہ ہوگی۔ چونکہ مریض اپنی ذمہ داری سے عہدا برا ہونا

چاہتا ہے کہ کہیں میں مرجاؤں اور کسی کا حق میرے ذمہ باقی نہ رہ جائے اس لیے وہ اقرار کر رہا ہے لہٰذا اس کا اقرار قابل قبول ہوگا[1]

ان دونوں قولوں میں ظاہراً تو قول ثانی کو ترجیح دی گئی ہے مگر قانوناً قول اوّل یعنی احناف کے قول کو راجح قرار دیا جاتا ہے[2]

اقرار بالکتابت یعنی دوسرے کے حق کی تحریراً خبر دینا: بشرطیکہ تحریر واضح وصریح ہو۔ ۲۔ تحریر اس دور کے قانون کے مطابق ہو۔

فقہاء کا اختلاف تحریری اقرار کے ساتھ ثبوت حق میں فقہاء کے تین قول ہیں

قول اوّل: اقرار بالکتابت کے ساتھ حقوق ثابت نہیں ہوتے خواہ اس پر گواہ بھی موجود ہوں یہ قول جمہور متقدمین احناف وابن عابدین وخیر الدین الرملی کا ہے[3]

قول ثانی: تحریری اقرار کے ساتھ حقوق ثابت ہو جاتے ہیں خواہ گواہ موجود ہوں یا نہ ہوں یہ قول مالکیہ اور حنابلہ اور بعض متاخرین احناف کا ہے۔

قول ثالث: گواہ موجود ہوں تو اقرار بالکتابت سے حقوق ثابت ہوں گے اور اگر گواہ موجود نہ ہوں تو حقوق ثابت نہ ہوں گے یہ قول شوافع اور بعض احناف اور بعض مالکیہ کا ہے۔

استدلال قول اوّل اصحاب قول اوّل نے استدلال کیا ہے اس بات سے کہ تحریریں عام طور پر ملتی جلتی ہوتی ہیں ہو سکتا ہے جعلی تحریر ہو اور گواہ بھی جھوٹے ہوں اس لیے جس میں احتمال پیدا ہو جائے اس میں استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔

لیکن فقہاء نے اس استدلال کو رد کر دیا ہے کیونکہ احتمال وشک تو ہر صورت میں واقع ہونا ممکن ہے پھر تو کوئی صورت ثبوت حق کی باقی نہ رہے گی۔

---

[1] وسائل الاثبات ج ۱ ص ۳۰۴

[2] وسائل الاثبات ج ۱ ص ۳۰۸

[3] معین الحکام ص ۱۲۳۔ الاشباہ والنظائر ص ۳۰۴

استدلال قول ثانی اصحاب قول ثانی نے استدلال کیا ہے اس بات سے کہ اقرار بالکتابت سے ثبوت حقوق اقوی ہے بنسبت اقرار بالالفاظ کے کیونکہ کاتب اپنی تحریر سے قبل غور وفکر کرتا ہے اور بہت سوچ بچار کے بعد تحریر کر کے دیتا ہے بخلاف لفظ کے کہ اس میں خطا ولغزش ونسیان وسبقتِ لسان بھی ہو سکتا ہے اس کے باوجود اقرار باللفظ کو معتبر مانا گیا ہے تو اقرار بالکتابت بطریق اولی معتبر ہوگا۔ اور حجت ہوگا۔

استدلال قول ثالث اصحاب قول ثالث نے اس میں شہادۃ کی شرط زیادہ کی ہے کیونکہ شہادۃ سے احتمال تزویر وتشابہ خطوط رفع ہو جاتا ہے ہاں یہ ضرور ہوگا کہ گواہ عادل ہوں لہ

فیصلہ اقرار بالکتابت کے حق وحجت ہونے پر کتاب وسنت میں شواہد موجود ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ : قران مجید میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۔

ترجمہ : اے اہل ایمان جب تم آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

(بقرہ آیت ۲۸۲)

۲۔ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

عن ابن عمر رضی اللہ عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ ۔

ترجمہ :

لہ معین الحکام ص ۱۲۳ ۔ الاشباہ والنظائر ج ص ۳۴۰ ۔ وسائل الاثبات ج ا ص ۳۱۱

اگر کتاب و تحریر معتمد و معتبر نہ ہوتی تو شارع علیہ السلام کتابت کا حکم نہ دیتے۔

قیاس مقروض اقرار حقوق کا محتاج ہوتا ہے اور عام طور پر شیر سے دور ہونے کی وجہ سے کوئی گواہ بھی نہیں ملتا اس لیے وہ تحریر کر کے دے دیتا ہے یا اپنے رجسٹر میں تحریر کر کے رکھ لیتا ہے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ اگر تحریر کو معتبر نہ سمجھا جاوے تو اس طرح بہت سے حقوق کی تضییع ہو جائے گی اسی بنا پر فقہاء کا یہ مقولہ مشہور ہے۔

الکتاب کا الخطاب:

(۲) قول ہے۔ اَلْاِقْرَارُ بِالْکِتَابَۃِ کَالْاِقْرَارِ بِاللسان۔

یعنی اقرار بالکتابت بھی اقرار باللسان کی طرح ہے۔

خلاصہ موجودہ دور میں تحریری ثبوت کو قانوناً و سیاسۃً زیادہ اہمیت حاصل ہے بنسبت قولی ثبوت کے یہ اس ترقی کے دور میں ایسے کمپیوٹر سسٹم آ چکے ہیں جو تحریر کی پہچان کر لیتے ہیں، نیز جب گواہ موجود ہوں تو جعلی تحریر کا احتمال ختم ہو دفع ہو جاتا ہے اس لیے اقرار بالکتابت بھی صحیح اور لازم و نافذ ہوگا۔[۱]

چند مسائل اقرار

مسئلہ نمبر ۱: ایک شخص نے اقرار کیا کہ لِفُلَانٍ عَلَیَّ مَالٌ: فلاں شخص کا میں نے مال دینا ہے اب مُقِر کو کہا جائے گا مال کی وضاحت کرو کتنا ہے اور کیا ہے تو جو بھی وہ وضاحت کرے گا تھوڑا یا زیادہ اس کو تسلیم کر لیا جاوے گا: لیکن ایک درہم سے کم کی تصدیق نہ کی جاوے گی کیونکہ عرفاً ایک درہم سے کم کو مال نہیں کہا جاتا اور اگر مُقِر نے مَالٌ عَظِیْمٌ کہا تو پھر کم از کم دو صد دراہم ہوں گے۔ کیونکہ مال عظیم مقدار نصاب کو کہا جاتا ہے۔

اور ایک قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ کم از کم دس دراہم ہوں گے: کیونکہ نصاب سرقہ جس پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے وہ دس درہم ہیں۔

---

[۱] وسائل الاثبات ص ۳۱۴۔

اور اگر مَالٌ عَظِیْمٌ مِنَ الدَّنَانِیْر کہا تو بیسں[۲۰] دینار ہونگے من الابل کہا تو پچیس[۲۵] اونٹ مراد ہونگے۔

مسئلہ نمبر ۲ : ایک شخص اقرار کرتا ہے اور ساتھ ہی کسی چیز کو مستثنیٰ کر لیتا ہے تو یہ اقرار درست ہے مثلاً کہتا ہے لَهٗ عَلَیَّ مِائَةُ دِرْھَمٍ اِلَّا دِیْنَارًا : کہ میں نے اس کے سو درہم دینے ہیں مگر ایک دینار تو اب مُقر پر سو درہم لازم ہونگے مگر ایک دینار کی قیمت منہا کی جائے گی۔

اور اگر اقرار کے ساتھ لفظ انشاءاللہ کہہ دیتا ہے تو اقرار لازم نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر ۳ : ایک شخص نے کہا ھٰذِهِ الدَّارُ لِفُلَانٍ اِلَّا بِنَاءَھَا : یہ گھر فلانے کا ہے مگر اس کی عمارت میری ہے تو اب مُقر لہٗ کو عمارت سمیت گھر ملے گا کیونکہ گھر بغیر عمارت کے نہیں ہوتا۔ جیسے کہ انگوٹھی بغیر نگینہ کے نہیں ہوتی۔

مسئلہ نمبر ۴ : ایک شخص کہتا ہے میں نے فلانے شخص کو شراب یا خنزیر کی قیمت دینی ہے ایک ہزار روپیہ، تو اب مقر کے ذمہ ایک ہزار روپیہ تو لازم ہوگا مگر اس کی تفسیر کو قبول نہ کیا جاوے گا۔ کیونکہ ثمن شراب و ثمن خنزیر واجب نہیں ہوتے تو مقر یہ تفسیر کر کے اپنے آپ کو بری کرنا چاہتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۵ : حالت مرض میں اگر قرضوں کا اقرار کیا۔ تو حالتِ صحت کے قرضہ کو پہلے ادا کیا جاوے گا اور دیون مرض کو بعد میں۔

مسئلہ نمبر ۶ : مریض حالت مرض میں بعض قرض خواہوں کا قرض ادا کر دیتا ہے اور بعض کا نہیں کرتا یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بعض کو بعض پر ترجیح دی گئی ہے حالانکہ سب قرض خواہ برابر کے حق دار تھے۔ ہاں اگر حالت مرض میں کوئی قرضہ لیتا ہے یا کوئی چیز خریدی ہے تو وہ ادا کر سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۷ : مریض پر کسی کا قرضہ نہیں ہے وہ حالت مرض میں کسی کے لیے اقرار کرتا

لہ ہدایہ ج ۳ ص ۲۰۴

ہے تو یہ اقرار صحیح اور لازم ہوگا اور مُقَرّ لَہٗ کو ورثہ پر مقدم کیا جاوے گا۔

مسئلہ نمبر ۸: ایک شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دیتا ہے پھر اس کے لیے قرض کا اقرار کرتا ہے پھر مر گیا اب بیوی کو میراث اور قرض میں جو کم ہوگا وہ ملے گا۔

مسئلہ نمبر ۹: وارث کے لیے اقرار جائز نہیں ہاں اگر بقیہ ورثاء تصدیق کر دیں تو درست ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰: ایک شخص کسی کے لیے اقرار کرتا ہے کہ یہ میرے والدین ہیں یا بیٹے ہیں یا بیوی ہے یا مولیٰ ہے تو اقرار جائز ہے۔

اور اگر والدین اور وَلَد کے علاوہ کسی اور کا اقرار کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے فلاں شخص میرا بھائی ہے یا چچا ہے وہ اقرار صحیح نہ ہوگا اگر مقر لہ کے علاوہ کوئی اور وارث قریبی یا دور کا موجود ہو تو مقر لہ سے وہ مقدم ہوگا اور اگر کوئی اور وارث موجود نہ ہو تو پھر مقر لہ مقدم ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔